قرآن مجید اور اس کی حفاظت

انا نحن نزلنا الذکر وانا لہ لحافظون

(۱)

از جناب مولانا بدر عالم صاحب میرٹھی استاذ حدیث جامعہ اسلامیہ ڈابھیل

قرآنِ کریم کی حفاظت کا مسئلہ مسلمانوں میں ایک ایسا اہم مسئلہ ہے جس کو نہ صرف تاریخی بلکہ ایک مذہبی عقیدہ کی حیثیت حاصل ہے۔ اس لئے نہیں کہ ہر قوم اور ہر ملت کو چونکہ اپنی مذہبی کتاب سے ایک والہانہ شیفتگی اور غیر معمولی حسنِ ظن ہوتا ہے اس لئے بہت سے مسائل محض عقیدۃً مذہب کا جزء قرار دیدیئے جاتے ہیں۔ بلکہ اس لئے کہ قرآنِ کریم چونکہ خود اپنے محفوظ ہونے اور محفوظ رہنے کا مدعی ہے اس لئے سارے قرآن کی طرح اس پیشگوئی پر ایمان لانا بھی مذہب کا ایک جزء لاینفک ہے۔

اس کے برخلاف کوئی دوسری کتاب نہ اپنے متعلق ایسا دعویٰ کرتی ہے اور نہ اس کے حاملین اس کا کوئی تاریخی ثبوت دے سکتے ہیں۔ اس بناپر قرآن کے سوا کسی اور کتاب کے متعلق دعویٰ حفاظت کی وقعت ایک مذہبی عقیدت سے زیادہ نہیں ہو سکتی جو صرف اس قوم تک محدود ہوگی جو اس کی ماننے والی ہو اور بس۔

اس وقت ہمارا روئے سخن ان کتابوں کی طرف نہیں ہے جن کو صحفِ سماویہ کی صف میں کوئی جگہ نہیں مل سکی۔ نہ ان کے نزول کی کوئی صحیح تاریخ معلوم ہے نہ منزل علیہ کی کوئی صحیح خبر۔ محض مخترع انسانوں اور مذہبی دلچسپیوں نے ان کو مذہبی حیثیت دیدی ہے بلکہ میری مراد وہ کتابیں ہیں جن کے صحفِ الٰہیہ ہونے کے شواہد ہمارے پاس ایسے ہی قطعی ہیں جیسا کہ خود قرآنِ کریم کے یعنی توراۃ و انجیل۔ مگر گفتگو یہ ہے کہ یہ مقدس کتابیں کیا خود اپنی حفاظت کا دعویٰ کرتی ہیں یا اس کا کوئی تاریخی ثبوت

اس کے حاملین کے پاس ہے؟

قبل اس کے کہ ہم قرآن شریف کی محیر العقول حفاظت کے متعلق کوئی مختصر یا بسیط بحث شروع کریں ان مقدس کتابوں کا تھوڑا سا حال ہدیۂ ناظرین کرنا مناسب سمجھتے ہیں۔ تاکہ اس کے بعد پھر خداتعالیٰ کی اس آخری وحی کی حفاظت کا پورا اندازہ کیا جاسکے اور یہ حقیقت تاریخی روشنی میں پایۂ ثبوت کو پہنچ جائے کہ جن اسباب کی بدولت یہ دو مقدس کتابیں تحریف کے گھاٹ اتر گئی ہیں ان میں سے کوئی ایک سبب بھی قرآنِ کریم کو پیش نہیں آیا اور اس نے جب اس کے ماحول میں ان اسباب کا وجود ہی نہ تھا تو پھر اس کے محفوظ ہونے کا دعویٰ بہت کچھ قرینِ قیاس ہو جاتا ہے اور اس کو بھی مثل دیگر کتب سماویہ کے محرف سمجھ لینا ایک تاریخی حقیقت سے انحراف ٹھہرتا ہے۔

اس جگہ یہ سوال فطرۃً پیدا ہوتا ہے کہ تورات و انجیل کے ماننے والے اور اس کی عظمت و احترام کی مدعی دو بڑی قومیں موجود ہیں پھر وہ کیا اسباب ہوں گے جنھوں نے ان کتابوں کو اپنی اصلی صورت پر قائم رہنے نہیں دیا۔ اس کے برخلاف وہ کون سی قاہر طاقت ہے جس نے قرآنِ کریم کو تمام دنیا کے مخالف ہونے کے باوجود تحریف و تبدل کے جملہ اسباب سے دور رکھا ہے اس وقت سازِ فطرت سے جو آواز بے ساختہ پیدا ہوگی وہ صرف ایک ہی آواز ہوگی کہ انا نحن نزلنا الذکر وانا لہ لحافظون۔

ہم اس سوال کا جواب مختصر لکھیں یا مفصل بہرحال سب کا لب لباب یہی ہوگا کہ دیگر کتب کی حفاظت کا ذمہ خود اس صاحبِ کتاب نے نہیں لیا اور اس آخری کتاب کا ذمہ خود اس کے نازل کرنے والے نے لیا ہے پھر جتنا کہ انسانی حفاظت اور خدائی حفاظت میں فرق ہو سکتا ہے اتنا ہی فرق دیگر کتبِ سماویہ اور قرآنِ کریم کی حفاظت میں سمجھ لینا چاہئے۔

مضمونِ بالا کے اثبات کے لئے میں خود قرآنِ کریم کی شہادت پیش کرنا چاہتا ہوں کہ درحقیقت دیگر کتبِ سماویہ کے حفاظت کی ذمہ داری ربِ السموات نے نہیں لی بلکہ اس کی حفاظت کا بوجھ احبار و

رہبان کے ذمہ رکھا گیا تھا جنھوں نے اس اہم ذمہ داری کو قطعاً محسوس نہیں کیا اور اپنے ہاتھوں خدا کی ہدایت کو نذر تحریف کر دیا۔ یہ جرم ان کا تھا کہ جو کتاب ان کے حوالہ کی گئی تھی اس کی نگہداشت میں انھوں نے کیوں تساہل کیا بلکہ اور الٹا اس کی تحریف میں کیوں حصہ لیا۔

انا انزلنا التوراۃ فیھا ھدی و نور — ہم نے توراۃ نازل کی جس میں ہدایت اور نور ہے جو
یحکم بھا النبیون الذین اسلموا — نبی اللہ کے حکم بردار تھے وہ اس کے مطابق ان لوگوں
للذین ھادوا والربانیون والاحبار — کے لئے حکم کرتے تھے جو یہودی تھے اور حکم کرتے
بما استحفظوا من کتاب اللہ و — تھے درویش اور عالم کیونکہ وہ نگہبان ٹھہرائے گئے تھے
کانوا علیہ شھداء — اللہ کی کتاب پر اور اس کی خبرگیری پر مقرر تھے۔

علامہ نیشا پوری زیر تفسیر آیت مذکورہ فرماتے ہیں۔

وھھنا نکتۃ وھی انہ سبحانہ — اس مقام پر ایک نکتہ ہے اور وہ یہ کہ چونکہ حق تعالیٰ
تولی حفظ القرآن ولم یکلہ — قرآن کریم کا خود متولی ہو گیا ہے اور اس کی حفاظت
الی غیرہ فبقی محفوظاً علی — دوسرے کے سپرد نہیں فرمائی اس لئے باوجود زمانہ دراز
مر الدھور بخلاف الکتب — گذرنے کے اب تک محفوظ ہے بخلاف دیگر کتب سماویہ
المتقدمۃ فانہ لم یتول حفظھا وانما — کے کیونکہ ان کی حفاظت کا خود اس نے تکفل نہیں
استحفظھا الربانیین والاحبار — فرمایا بلکہ ان کی حفاظت احبار و رہبان کو کرائی گئی
فاختلفوا فیما بینھم ووقع التحریف[۱] — تھی انھوں نے آپس میں اختلاف کیا لہٰذا تحریف واقع ہو گئی۔

ملا علی قاری حنفی شرح شفاء قاضی عیاض میں تحریر فرماتے ہیں۔

انا نحن نزلنا الذکر وانا لہ لحافظون ای — ہم نے قرآن کو اتارا ہے اور ہم خود اس کی حفاظت
من زیادۃ ونقص وتحریف وتبدیل — کریں گے یعنی زیادت و نقصان سے تحریف و تبدل کا

[۱] جلد ۱۴ ص

ولم يحل حفظه الى غيره بل تولاه الى	قرآنِ کریم کی حفاظت کو خدا تعالیٰ نے دوسرے کے
نفسه بخلاف الكتب الالهية قبله	حوالہ نہیں فرمایا بلکہ اس کا خود تکفل فرمایا ہے بخلاف
فانه لم يتول حفظها بل استحفظها	دیگر کتب الٰہیہ کے کہ ان کی حفاظت کا خود ذمہ نہیں
الربانيين والاحبار فاختلفوا فيها	لیا بلکہ ان کی نگرانی احبار و رہبان کے سر رکھی انھوں
وحرفوا وبدلوا	نے اس میں اختلاف کیا اور تحریف و تبدیلی کر دی

اب اس مضمون کو سفیان بن عیینہ جیسے جلیل القدر عالم (المتوفی ۱۹۸) کی زبانی سنئے جس کو شیخ جلال الدین سیوطیؒ نے بحوالہ بیہقی خصائص الکبریٰ میں نقل فرمایا ہے۔

واخرج البيهقي عن يحيى بن اكثم	امام بیہقی یحییٰ بن اکثم (متوفی ۲۴۲) سے روایت کرتے
قال دخل يهودي على المامون	ہیں کہ ایک یہودی مامون کی خدمت میں حاضر ہوا
فتكلم فاحسن الكلام فدعاه	اور نہایت سلیقے سے گفتگو کی، مامون نے اس کو اسلام
المامون الى الاسلام فابى فلما	کی دعوت دی۔ اس نے انکار کیا۔ ایک سال گذرنے
كان بعد سنة جاءنا مسلما فتكلم على	کے بعد وہ مسلمان ہو کر ہمارے پاس آیا اور اس نے علم
الفقه فاحسن الكلام فقال له المامون	فقہ میں گفتگو کی اور اچھی کی۔ مامون نے اس سے دریافت
ما كان سبب اسلامك قال انصرفت	کیا کہ تیرے اسلام لانے کا کیا سبب ہوا، اس نے جواب
من حضرتك فاحببت ان امتحن هذه	دیا کہ جب میں آپ کی خدمت سے واپس ہوا تو میں نے
الاديان فعمدت الى التوراة فكتبت	چاہا کہ میں سب ادیان کا امتحان کروں لہذا میں نے
ثلاث نسخ فزدت فيها ونقصت و	تورات کے تین نسخے لکھے اور اس میں کمی بیشی کر کے
ادخلتها البيعة فاشتريت مني و	معبدِ یہود میں رکھ دیئے لوگ وہ نسخے مجھ سے خرید کر لیگئے

---

[1] جلد ۲ ص ۱۰۳۔

عمدت الى القرآن فعملت ثلث نسخ فزدت فيها ونقصت وادخلتها الوراقين فتصفحوها فلما ان وجدوا فيها الزيادة والنقصان رموا بها فلم يشتروها فعلمت ان هذا كتاب محفوظ فكان هذا سبب اسلامي ۔ قال يحيى بن اكثم فحججت تلك السنة فلقيت سفيان بن عيينة فذكرت له الحديث فقال لي مصداق هذا في كتاب الله تعالى قلت في اي موضع قال في قوله تعالى في التوراة والانجيل بما استحفظوا من كتاب الله فجعل حفظه اليهم فضاع وقال انا نحن نزلنا الذكر وانا له لحافظون فحفظه الله تعالى علينا فلم يضع ۔ ؎

پھر میں نے اسی طرح قرآن کے ساتھ کیا اور ان کو وراقین کے پاس بھیجدیا انھوں نے اس کی ورق گردانی کی اور جب اس میں کمی بیشی پائی تو ان کو پھینک دیا اس وقت میں سمجھ گیا کہ یہی کتاب محفوظ ہے اور یہی میرے اسلام کا سبب ہوا۔ یحیی بن اکثمؒ فرماتے ہیں کہ میں اسی سال حج کو گیا اور سفیان بن عیینہؒ سے میری ملاقات ہوئی تو میں نے ان سے یہ سارا واقعہ بیان کیا تو انھوں نے فرمایا کہ اس کا مصداق تو قرآن کریم میں موجود ہے میں نے کہا کہ بھلا کہاں؟ انھوں نے فرمایا کہ تورات و انجیل کے متعلق بما استحفظوا فرمایا ہے یعنی ان کی نگرانی ان کے سپرد رہی لہذا ضائع ہوئیں اور قرآن کے متعلق یہ فرمایا ہے کہ ہم اس کے نگراں ہیں لہذا یہ ضائع نہ ہوا اور محفوظ رہا۔

مضمونِ بالا میں ہم نے حفاظتِ قرآن کے مسئلہ کو تاریخی مسئلہ سے بلند تر یعنی مذہبی عقیدہ قرار دیا تھا مگر شیخ جلال الدین سیوطیؒ نے اور آگے بڑھکر اس کو خصائص میں شمار کیا ہے اس اعتبار سے اس کی اہمیت اور زیادہ ہوجاتی ہے۔

اب ایک سوال اور رہ جاتا ہے کہ مقدس تورات و انجیل بھی تو خدا تعالیٰ کی کتابیں تھیں پھر ان کی

؎ جلد ۲ ص۱۸۵ ۔ و شرح المواہب للزرقانی جلد ۵ ص۲۵۲ ۔

حفاظت کا تکفل قرآنِ کریم کی طرح خود قدرت نے کیوں نہ فرمایا۔ اس کا ایک مختصر سا مگر بہت واضح جواب یہ ہوسکتا ہے کہ جو دین خدائی حفاظت میں آجائے پھر اُس کا غیر محفوظ ہوجانا امرِ محال ہے لہذا حفاظتِ الٰہیہ اسی دین کی متولی ہوسکتی ہے جس کی دائمی بقا مقدر ہوچکی ہے اور وہ ادیان جو زمانہ کے وقتی مصالح کے لحاظ سے نازل ہوئے ہوں اون کا تحفظ بھی وقتی ہی ہونا چاہیئے اون کا دائمی تحفظ بے شبہ غیر معقول ہوگا بلکہ ان کے تحفظ کی مثال بالکل ایسی ہی ہوگی جیسا کہ ایک منسوخ شدہ نوٹ کے تحفظ کی۔

اہلِ فہم کے لئے یہ نکتہ قابلِ یادداشت ہے کہ دینِ ناسخ کے نزول کے وقت پہلے دین کا ناپدید ہونا یا بلفظِ دیگر پہلے دین کے نابود ہوجانے کے بعد دینِ ناسخ کا نازل ہونا یہ درحقیقت دینِ منسوخ کے لئے ایک نوع کا احترام ہے کیونکہ جب تک ایک الٰہی قانون زمین پر اپنی اصلی صورت پر موجود ہو اُس وقت تک کسی دوسرے قانون کا نزول جو پہلے قانون کے مخالف ہو، اس کو باطل اور بیکار ٹھہرانے کے مرادف ہے مگر الٰہی قانون جو بھی ہے وہ سب واجب الاحترام ہے۔ اس لئے تقدیر یونہی جاری ہوئی کہ جب ایک دین کے آثار مٹ جائیں تو اس کے بعد ہی دوسرے دین کا نزول ہوحتیٰ کہ جب سب ادیان آکر فنا ہولیں اس وقت وہ دین آئے جو سب کا ناسخ ٹھہرے تو پھر لازم ہوا کہ قدرت خود اس کا تکفل فرمائے اور تحریف و تبدیل سے بچائے ورنہ انسانی طاقتیں اگر پہلے دینوں کی طرح اُسے بھی گم کردیں تو پھر دو ہی صورتیں رہ جاتی ہیں یا کوئی دوسرا دین نازل ہو تو یہ اُس کے آخر ہونے کے منافی ہے یا مخلوق کو یونہی ہزاروں سال وادیٔ ضلالت میں بھٹکتا چھوڑ دیا جائے تو یہ حق تعالیٰ کی صفت "الھادی" کے شایانِ شان نہیں۔

الغرض دائمی حفاظت کے ثبوت کے لئے دو باتیں لازم ہیں ایک یہ کہ وہ کتاب خود بھی اپنی حفاظت کی مدعی ہو دوم یہ کہ وہ کتاب آخری کتاب ہو اس معیار کے مطابق عالم میں سوائے قرآنِ کریم کے کوئی دوسری کتاب نہیں اور غالبًا اسی لئے شیخ جلال الدین سیوطیؒ نے اس مسئلہ کو خصائص میں شمار کیا ہے۔

یہود و نصاریٰ پر قرآن کریم کا یہ بہت بڑا احسان ہے کہ جن کتابوں کی وہ تاریخ بھی محفوظ نہیں رکھ سکے۔ قرآنِ کریم نے ان کو قطعیت کی حد تک پہنچا کر اُن کتب کو صحفِ سماویہ میں شمار ہونے کا فخر مرحمت فرمایا۔ درحقیقت جو کتاب آخری کتاب کہلائے اس کے لئے یہی زیبا تھا کہ وہ خدائے تعالیٰ کے جملہ ادیان کی اجمالاً یا تفصیلاً تصدیق کردے اور ان کے مہمات کی محافظ بن جائے غالباً اس بنا پر قرآنِ کریم کا "مھیمن" لقب رکھا گیا اور اسی مقصد کی طرف "فیھا کتب قیمۃ" میں اشارہ فرمایا گیا ہے۔

یہ بات بھی قابلِ فراموشی نہیں ہے کہ دین و مذہب کا فطری ہونا چونکہ اپنی جگہ مسلم و ثابت ہے اس لئے اس کی حفاظت کو صحیح فطرت کا جزء کہنا بھی بجا ہے۔ لہذا جیسا کہ وقتی ادیان کی حفاظت کا اقتضاءِ فطرۃً وقتی ہوتا ہے اسی طرح دائمی دین کی حفاظت کا اقتضا بھی دائمی ہونا چاہئے اس لئے لازمی طور پر قرآنِ کریم کی دائمی حفاظت کا اقتضا فطرۃِ صحیحہ کا ایک جزء ہو جاتا ہے بلفظِ دیگر یوں سمجھئے کہ فطرۃِ تقدیر و تدبیرِ الٰہی کا ایک آئینہ ہے لہذا جو مشیت الٰہی ہوتی ہے اس کا عکس فطرۃِ صحیحہ میں اسی طرح نظر آتا ہے جیسا کہ آئینہ میں صورت، لہذا ہر فطرت میں اُس مشیت کے مطابق ایک قدرتی حرکت پیدا ہو جاتی ہے اور اس لئے اس کا ایک غیر معمولی اثر عالمِ شہادت میں مشاہدہ ہونے لگتا ہے۔ یا یوں کہئے کہ جب کوئی امر قدرت کو منظور ہوتا ہے تو وہ اس کا اقتضا فطرتِ انسانی میں پیدا فرما دیتی ہے تاکہ فطرت خود اس کی متلاشی ہو جائے۔ اس قدرتی قانون کی تفہیم میں اگر میں تکوینیات کی طرف چلا جاؤں تو اپنے مضمون سے بہت دور نکل جاؤں گا اس لئے اس کی تفصیل فہمِ ناظرین پر حوالہ کر کے صرف اسی اجمال پر کفایت کرتا ہوں کہ قرآنِ کریم کی حفاظت کو خواہ الٰہی حفاظت کہئے یا فطری اقتضا فرمایئے دونوں کا مطلب ایک ہے۔

اس مختصر تمہید کے بعد تھوڑا سا حال تورات و انجیل کا سنئے۔

علامہ ابن حزم (المتوفی ۴۵۶ھ) فرماتے ہیں (کتاب الفصل ج ۲ ص ۳۶)

موجودہ انجیل کے محرف اور خدائے تعالیٰ کی کتاب نہ ہونے کے لئے ہمیں اتنا ہی کہہ دینا کافی ہے

کہ خود نصاریٰ کا یہ دعویٰ نہیں ہے کہ یہ اناجیل خدائے تعالیٰ کی طرف سے نازل ہوئیں یا خود عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ان کو تحریر فرما کر امت کو حوالہ کیا ہے بلکہ ان کے جملہ فرق کا اس پر اتفاق ہے کہ حقیقتہً یہ چار تاریخیں ہیں جن کو چار اشخاص نے مختلف زمانوں میں مختلف طور پر تحریر کیا ہے چنانچہ انجیل کا پہلا حصہ حضرت مسیح علیہ السلام کے نو سال بعد ان کے شاگرد متی نے ملکِ شام میں بزبانِ عبرانی تصنیف کیا جو کہ متوسط خط سے تقریباً ۲۸ ورق کا ہوگا۔

دوسری تاریخ مرقس شاگرد حضرت شمعون نے ۲۲ سال رفع مسیح علیہ السلام کے بعد بزبان یونانی شہر انطاکیہ میں تصنیف کی یہ شمعون حضرت مسیح علیہ السلام کے شاگردوں میں ہیں۔

تیسری تاریخ لوقا طبیب نے جو کہ حضرت شمعون کے شاگرد تھے یونانی زبان میں تحریر کی یہ تاریخ مرقس کی تصنیف کے بعد تحریر کی گئی اور اس کی ضخامت بھی انجیل متی کے برابر تھی۔

چوتھی تاریخ یوحنا شاگرد حضرت مسیح نے تقریباً ۶۰ سال رفع عیسیٰ علیہ السلام کے بعد یونانی زبان میں تحریر کی جس کی ضخامت ۲۴ ورق ہوگی [۱]

غرض نقول نصاریٰ کا سارا ذخیرہ پولس [۲]، مرقس و لوقا سے ماخوذ ہے۔ ان اشخاص کا حال اور جن سے یہ ناقل ہیں تاریخی طور پر نہایت تاریک ہے۔ اس کے ساتھ ہی یہ بات بھی قابلِ لحاظ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے زمانہ میں باتفاقِ نصاریٰ کل ایک سو بیس اشخاص مشرف باسلام ہوئے تھے اور وہ اس قدر خفیہ طور پر کہ کسی کو اپنے مذہب کی طرف علانیہ دعوت دینے کی قدرت نہ رکھتے تھے صرف پوشیدہ طور پر مسیحیت کی دعوت دی جاتی تھی، مخالفین کا یہ زور تھا کہ جو شخص مسیحیت کا تبع پایا جاتا اس کو قتل کر دیا جاتا یا سولی دیدیا جاتا تھا۔

---

[۱] یاد رہے کہ فرید وجدی کو ان اناجیل کی تاریخ تصنیف میں تھوڑا سا اختلاف ہے۔ مراجعت کی جائے دائرۃ المعارف جلد ۱ ص ۶۵۵۔ اور اظہار الحق جلد ۱ ص ۱۲۰
[۲] پولس کے حالات کی ابتری کے لئے ملاحظہ کرو اظہار الحق ج ۲ ص ۱۳۰۔

مسیحیت کے لئے بے امنی کا یہ دور اسی طرح گذرتا رہا حتیٰ کہ رفع عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے تین سو سال بعد قسطنطین بادشاہ نصرانی ہوا اور روم سے منتقل ہو کر ایک ماہ کی مسافت پر اس نے ایک شہر قسطنطنیہ بنایا اور یہاں پہنچکر اس نے نصرانیۃ کا اظہار کیا اسوقت سے نصرانیت کو ترقی وعروج میسر ہوا۔ اس عرصہ میں انجیل مقدس کے اکثر حصص غائب ہو گئے تھے۔ [1]

مضمون بالا سے حسب ذیل نتائج برآمد ہوتے ہیں۔

(۱) حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اناجیل کو خود نہیں لکھا۔

(۲) الہام شدہ اناجیل نہ خود حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنے زمانہ میں جمع کیں نہ کسی اور شخص نے ان کے زمانہ میں جمع کیں۔

(۳) چار اشخاص میں سے جن کو جامع اناجیل کہنا چاہیے صرف دو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے شاگرد تھے اور دو شرف تلمذ سے بھی محروم تھے۔

(۴) جامع اناجیل میں سے بعض خود ساقط العدالۃ تھے۔

(۵) عبرانی زبان میں صرف ایک انجیل تھی تصنیف ہوئی بقیہ دوسری زبانوں میں لکھی گئیں جو حضرت مسیح علیہ الصلوٰۃ والسلام کی زبانیں نہیں کہی جا سکتیں۔

(۶) جمع اناجیل کا زمانہ اس قدر ناموافق رہا کہ کسی کو نصرانیۃ کے اظہار کی قدرت بھی نہ تھی۔

(۷) تین سو سال بعد سلطنت کی طاقت سے اس کو فروغ میسر ہوا۔

(۸) حضرت مسیح علیہ السلام کی حیات میں مومنین کی تعداد بہت ہی قلیل رہی وہ بھی کمزور صورت میں

حافظ ابن تیمیہ (المتوفی ۷۲۸ھ) الجواب الصحیح میں فرماتے ہیں [1]

انجیل باتفاق نصاریٰ بعد رفع عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے لکھی گئی ہے اس کو نہ حضرت مسیح

---

[1] الجواب الصحیح ج ۱ ص ۳۶۸

علیہ السلام نے خود لکھا اور نہ کسی کو لکھوایا اور بعد میں جن اشخاص نے لکھا ہے ان میں سے صرف یوحنا اور متی ایسے تھے جن کو حضرت مسیح علیہ السلام کی صحبت میسر ہوئی ہے۔ رہ گئے مرقس اور لوقا تو انھوں نے حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کو دیکھا تک نہیں۔

پھر ان کاتبین کو اس کا اعتراف ہے کہ انھوں نے حضرت مسیح علیہ الصلوٰۃ والسلام کے جملہ اقوال جمع نہیں کئے بلکہ صرف بعض حصۂ حیوۃ لکھے ہیں۔ ایسی صورت میں صرف تین چار اشخاص کے بیان پر کیا اعتماد ہو سکتا ہے اور غلطی کا احتمال کیوں کر اُن پر نہیں ہو سکتا ہے۔ بالخصوص جبکہ ایک مرتبہ خود حضرت مسیح علیہ الصلوٰۃ والسلام کے حق میں ہی دھوکا لگ چکا ہے حتیٰ کہ یہی معاملہ زیرِ اختلاف ہے کہ مصلوب درحقیقت حضرت مسیح علیہ السلام تھے یا کوئی اور شخص۔

مگر نصاریٰ یہ عذر کرتے ہیں کہ یہ لوگ رسل اللہ اور معصوم تھے لہٰذا ان کے متعلق غلطی کا توہم نہیں کیا جا سکتا۔ مگر چونکہ ان کا رسل اللہ ہونا اس پر مبنی ہے کہ عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کا خود اللہ ہونا ثابت کیا جائے والعیاذ باللہ لہٰذا یہ عذر گنہ بدتر از گنہ ہوگا۔

حافظ ابن تیمیہؒ نے اس کا جواب بہت تفصیل سے دیا ہے جس کو ضرورت ہو اصل کتاب کی مراجعت کرے حافظ مذکور اسی کتاب میں دوسری جگہ اس کی مزید تشریح کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ:-

یہ چاروں اشخاص نہ یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ یہ اناجیل کلام اللہ ہیں اور نہ یہ کہتے ہیں کہ حضرت مسیح علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ان کو خدا تعالیٰ کی طرف سے نقل فرمایا ہے۔ بلکہ کچھ اشیا ر خود عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی فرمودہ نقل کرتے ہیں اور کچھ ان کے افعال و معجزات کا ذکر کرتے ہیں اور یہ بھی تصریح کرتے ہیں کہ ہم نے جو کچھ نقل کیا ہے ان کی مجموع سوانح حیات نہیں ہے لہٰذا اب انجیل کی حیثیت ایسی رہ جاتی ہے جیسا کہ کتب سیر کی جن میں صحیح و سقیم رطب و یابس ہر قسم کی روایات کا ذخیرہ ملتا ہے نہ کہ ایک الہامی کتاب کی جس میں شک و شبہ کیلئے کوئی راہ نہیں ہوتی۔

اس کے بعد فرماتے ہیں کہ :-

"یہ بھی اس وقت ہوگا جبکہ اُس انجیل کے لکھنے والوں پر کوئی تہمت کذب وغیرہ کی نہ ہو کیونکہ ایک دو شخص اگر سچے بھی ہوں پھر بھی اُن سے غلطی اور سہو کا بہت کچھ امکان ہے۔ [۱]

پھر فرماتے ہیں کہ :-

نصاریٰ کے عقیدہ کے بموجب[۲] ان کے دین کا خود حضرت مسیح علیہ الصلوٰۃ والسلام سے متصل سند کے ساتھ نقل ہونا بھی ضروری نہیں بلکہ ان کے نزدیک ان کے اکابر کو یہ حق ہے کہ وہ ایسا دین رائج کر دیں جس کو حضرت مسیح علیہ السلام نے بیان نہیں کیا۔ اس کا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ نہ ان کو حضرت مسیح علیہ السلام کی شریعت کی حفاظت کی طرف توجہ ہو سکتی ہے اور نہ اس کے اہتمام کی ضرورت رہتی ہے۔ [۳]

(م ۲/۳۴۲) پر فرماتے ہیں کہ -

امانت جو نصاریٰ کے اصولِ دین میں داخل ہے اور صلوٰۃ الی المشرق اور حلّتِ خنزیر اور ترکِ ختنہ اور تعظیمِ صلیب اور کنیسوں میں صورتیں بنانا یہ سب احکام وہ ہیں کہ نہ خود حضرت مسیح علیہ السلام سے منقول نہ اناجیل میں ان کا کہیں پتہ بلکہ حواریین سے بھی منقول نہیں۔

پھر فرماتے ہیں کہ :- [۴]

خلاصہ یہ ہے کہ نصاریٰ کے پاس کوئی نقل متواتر اس امر کی شہادت نہیں دیتی کہ ان اناجیل کے الفاظ درحقیقت حضرت مسیح علیہ الصلوٰۃ والسلام کے فرمودہ ہیں بلکہ ان کی اکثر شریعت کا ان کے پاس نہ کوئی ضعیف ثبوت ملتا ہے نہ قوی۔ [۵]

حافظ ابنِ تیمیہؒ کے اس بیان سے چند جدید نتائج اور ماخوذ ہوتے ہیں۔

---

[۱] جلد ۲ ص ۱۳۱۔ [۲] اس کی تفصیل اور وجہ اگر درکار ہو تو ملاحظہ کیجیے اظہار الحق از ص ۶۵ و ص ۵۷ تا ص ۶۴ جلد ۲
[۳] جلد ۲ ص ۱۴۰ [۴] جلد ۱ ص ۳۴۳۔ [۵] دیکھو شرح المواہب للزرقانی جلد ۵ ص ۳۹۴۔

(۱) اس پر کوئی شہادت قوی نہیں کہ اناجیل کے الفاظ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے فرمودہ ہیں۔

(۲) جامع اناجیل نے حضرت مسیح علیہ السلام کے نہ سارے اقوال جمع کئے نہ سارے حالات۔

(۳) اناجیل کی حیثیت صرف کتبِ سیر کی ہے۔

(۴) اناجیل کے کلامِ الٰہی ہونے پر کوئی شہادت نہ متواتر ہے نہ غیر متواتر۔

(۵) کاتبینِ اناجیل نہ خود اس کے کلام اللہ ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں اور نہ ان کے متعلق یہ دعویٰ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی طرف منسوب کرتے ہیں۔

یہ کل تیرہ نتائج ہیں جو اناجیل کے متعلق ابنِ حزم ظاہریؒ اور حافظ ابنِ تیمیہؒ کے متفرق جملوں سے ظاہر ہوتے ہیں۔ اس کے بعد یہ اہم مرحلہ ہنوز درپیش ہے کہ جن مصنفین کے نام سے یہ اناجیل منسوب ہیں کیا اس کی کوئی صحیح سند علمارِ مسیحین پیش کرسکتے ہیں؟ افسوس ہے کہ اس مہم سوال کے جواب میں بھی یہی علمار خاموش ہیں بلکہ ان میں سے بعض حق گو یہ تسلیم کرنے پر مجبور ہیں کہ اس انتساب کی بھی کوئی صحیح سند ان کے ہاتھ میں نہیں ہے۔ ملاحظہ ہو۔

انسائیکلوپیڈیا بولی میں انجیل متی کے متعلق لکھا ہے:۔

یہ انجیل ۴۱ئمہ میں عبرانی زبان میں اور اس زبان میں جو کہ کلدانی اور سریانی کے مابین ہے تحریر کی گئی لیکن اس میں سے موجودہ انجیل اس کا یونانی ترجمہ ہے اور جو انجیل کہ اسوقت عبرانی زبان میں ملتی ہے وہ یونانی انجیل کا ترجمہ ہے۔ [1]

جیروم اپنے مکتوب میں تصریح کرتا ہے کہ

بعض علمار متقدمین انجیل مرقس کے آخر باب کے متعلق شک کرتے تھے اور اسی طرح بعض متقدمین کو انجیل لوقا کے ۲۲ باب کی بعض آیات میں شبہ تھا اور بعض اس انجیل کے دو

---

[1] اقتباس از کتاب اظہار الحق جلد صفحہ ۴۴ و ۴۵ و ۴۶ و ۴۷۔

اول کے باب میں شبہ ظاہر کرتے تھے۔ چنانچہ یہ دونوں باب فرقہ مارسیونی کے نسخہ میں نہیں ہیں۔

محقق نورتن انجیل مرقس کے متعلق اپنی کتاب کے ۵۳ پر لکھتا ہے۔

اس انجیل میں ایک عبارت قابلِ تحقیق ہے اور وہ آخر باب کی نویں آیت سے لیکر آخر تک ہے۔ تعجب ہے یسبل خ سے کہ اس نے متن میں اس پر کوئی شک کی علامت نہیں لگائی اور اس کی شرح میں بلا تنبیہ کئے ہوئے اس کے الحاق کے دلائل بیان کئے ہیں۔

استادلن اپنی کتاب میں لکھتا ہے کہ۔

بلاشبہ انجیل یوحنا تمام کی تمام مدرسہ اسکندریہ کے کسی طالب علم کی تصنیف ہے۔

اسی طرح محقق برطشنیدر کہتا ہے کہ

یہ انجیل اور رسائل یوحنا، یوحنا کی تصنیف نہیں بلکہ کسی نے ابتدار قرنِ ثانی میں اُن کو تصنیف کیا ہے۔

ہورن اپنی تفسیر جزر رابع میں لکھتا ہے کہ

قدمار مورخین سے جو حالات تالیفِ اناجیل کے زمانہ کے متعلق ہم تک پہنچے ہیں اُن سے کوئی صحیح نتیجہ برآمد نہیں ہوتا۔ قدمار مشائخ نے واہیات روایات کی تصدیق کرکے اُن کو لکھ ڈالا ہے اور ان کی عظمت کا خیال کرکے متاخرین اُن کی تصدیق کرتے چلے آئے ہیں۔ اور اس طرح یہ جھوٹی سچی روایات ایک کاتب نے دوسرے کے حوالہ کی ہیں حتی کہ اب ایک مدت مدیہ کے بعد ان کی تنقید تقریباً ناممکن ہے۔

راجرس جو کہ علمار پروٹسٹنٹ میں بڑا رتبہ رکھتا ہے اپنے فرقہ کے علمار کی ایک فہرست کا ذکر کرتا ہے جنھوں نے کتبِ مقدسہ سے بہت سی کتب کو علیحدہ کر دیا تھا۔ اِس خیال سے کہ یہ سب اکاذیب اور

جھوٹ ہے۔ یوسی بیس اپنی تاریخ میں لکھتا ہے۔

کہ دیونیسیش کہتا ہے کہ بعض قدماء نے کتاب المشاہدات کو کتبِ مقدسہ سے خارج کر دیا تھا اور اس کے رد پر نہایت زور دیتے ہوئے کہا کہ یہ سب کچھ بے معنی ہے اور جہالت و بے عقلی کا کرشمہ ہے اور اس کی نسبت یوحنا حواری کی طرف کرنا محض غلط ہے اور اس کا مصنف نہ حواری ہے نہ کوئی نیک شخص بلکہ مسیحی بھی نہیں ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ سرن تھن ملحد نے اس کو یوحنا کی طرف منسوب کر دیا ہے لیکن کتبِ مقدسہ سے میں اس کو اس لئے خارج نہیں کر سکتا کہ میرے بہت سے مذہبی بھائی اس کو بنظر عظمت دیکھتے ہیں لیکن میرا خیال یہ ضرور ہے کہ یہ کسی ملہم شخص کی تصنیف ہے لیکن میں اسے آسانی سے تسلیم کرنے کیلئے تیار نہیں ہوں کہ یہ شخص وہی یوحنا حواری تھا۔

انجیل لوقا اور متی میں ایسے واضح اختلافات پائے جاتے ہیں جس سے ثابت ہوتا ہے کہ انجیل متی عہد لوقا میں مشہور و معتبر نہ تھی ورنہ یہ کیسے ممکن ہے کہ لوقا مسیح کا نسب نامہ انجیلِ متی کے خلاف تحریر کر دے اور ایک دو حرف کا اضافہ بھی نہ کرے جس سے یہ بین اختلاف رفع ہو جائے

مولانا رحمت اللہ صاحبؒ نے اس سلسلہ میں جسقدر مواد بہم پہنچایا ہے حق یہ ہے کہ اس کے مطالعہ کے بعد عقلِ سلیم ایک منٹ کے لئے جائز نہیں رکھتی کہ اناجیل مروجہ کی کسی سند کو بھی صحیح تسلیم کیا جاسکے۔ ہم نے چند اقوال محض مشتے نمونہ از خروارے پیش کئے ہیں۔ تفصیل کے لئے اصل کتاب اظہار الحق کی مراجعت کی جائے۔

اس وقت اس مضمون کا استقصار منظور نہیں ہے ورنہ اگر کتب مذکورہ کے اقتباسات ہی پیش کئے جاویں تو اس کے لئے ہی مستقل ایک رسالہ درکار ہے۔ اس وقت تو یہ دکھلانا منظور ہے کہ

لہ اقتباس اظہار الحق از صفحہ ۵۸۔

اناجیل کا ماحول کیا تھا اور تاریخی طور پر وہ اسباب کیا تھے جن کے نمودار ہو جانے کے بعد انجیل کا فنا ہو جانا لازمی نتیجہ تھا اور کیا مسیحی علماء کے پاس اپنی اُس انجیل کو جس کو وہ قرآنِ کریم کے ہم پلّہ یا اس سے افضل سمجھتے ہیں برائے بیت بھی کوئی سند ہے۔ اس کے بعد پھر ہمیں غور کرنا ہے کہ کیا یہی اسباب یا ان جیسے اور اسباب کبھی قرآنِ کریم کے ماحول میں پیدا ہوئے ہیں اس وقت آپ کو قرآنِ کریم کی محیر العقول حفاظت کا صحیح اندازہ ہو جائے گا۔

(باقی آئندہ)